سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں مسلم دنیا کا دفاعی اتحاد اور سفارت کاری کا تصور: ایک تجزیاتی مطالعہ

An Analytical study of the concept of defensive unit and diplomacy in the light of Prophetic Biography.

آمنہ بیگم

ایم فل، ریسرچ سکالر

جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد، پنجاب، پاکستان

amnamani279@gmail.com

ڈاکٹر میاں محمد علی اویس

لیکچرار اسلامک اسٹڈیز

mianaliawais154@gmail.com

Abstract

The Muslim Ummah is currently facing some of the most pressing challenges, including military weakness, diplomatic disunity, and internal divisions. For decades, Muslim nations across the world have struggled with internal unrest, external invasions, and failure to play an effective role in global politics. In these circumstances, the Prophetic Seerah (biography of the Prophet ﷺ) provides us with complete guidance, offering a model for a sustainable defense system and successful diplomatic strategy.The Prophet Muhammad ﷺ laid the foundation of the state of Madinah on the principles of mutual unity, the Charter of Madinah, and peaceful coexistence with all communities. He organized the Muslim community, strengthened defensive measures, and established a coherent system through treaties with various tribes. Similarly, on the diplomatic front, the Prophet ﷺ sent letters to kings and rulers, dispatched envoys, and promoted international relations. Historic agreements such as the Treaty of Hudaybiyyah highlighted the depth and insight of Prophetic diplomacy. For the contemporary Muslim world, the Seerah of the Prophet ﷺ serves as a practical example. By following it, internal unity can be achieved, and a meaningful diplomatic role can be played at the global level. This research aims to explore how the Seerah of the Prophet ﷺ can be used as a foundation for the Muslim Ummah to adopt a strong defensive alliance and an honorable diplomatic strategy. This paper is significant in that it can provide intellectual direction to Muslims, encouraging them to set aside differences and unite under the guidance of Prophetic wisdom.

Keywords: Prophetic Seerah ﷺ, Defensive Alliance, Islamic Diplomacy, International Relations, Diplomatic Strategy.

امت مسلمہ اس وقت جن مسائل سے دوچار ہے، ان میں سب سے اہم دفاعی کمزوری، سفارتی انتشار اور باہمی اختلافات ہیں۔ دنیا بھر میں مسلم اقوام کئی دہائیوں سے اندرونی خلفشار، بیرونی حملوں، اور عالمی سیاست میں مؤثر کردار ادا کرنے میں ناکامی کا سامنا کر رہی ہیں۔ ان حالات میں سیرت نبی ﷺ ہمارے لیے مکمل رہنمائی فراہم کرتی ہے جو ایک پائیدار دفاعی نظام اور کامیاب سفارتی حکمت عملی کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی ریاست کی بنیاد باہمی اتحاد، میثاقِ مدینہ، اور تمام اقوام کے ساتھ پُرامن بقائے باہمی کے اصولوں پر رکھی۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں ریاست قائم کرنے میں جس فہم و فراست، دانشمندی اور تدبر سے دفاعی نظام قائم کیا، وہ آج بھی مشعلِ راہ ہے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو منظم کیا، دفاعی اقدامات کو مضبوط بنایا اور مختلف قبائل کے ساتھ معاہدات کے ذریعے ایک مربوط نظام قائم کیا۔ اسی طرح سفارتی سطح پر بھی آپ ﷺ نے مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کو خطوط لکھے، نمائندے بھیجے، اور بین الاقوامی روابط کو فروغ دیا۔ صلح حدیبیہ جیسے تاریخی معاہدے نے نبوی سفارت کاری کی گہرائی اور بصیرت کو اجاگر کیا۔ آج کے دور میں اُمتِ مسلمہ کو درپیش چیلنجز مثلاً دفاعی ناہمواری، سیاسی انتشار اور بین الاقوامی تنہائی کے حل کے لیے ضروری ہے کہ سیرت نبوی ﷺ سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ موجودہ مسلم دنیا کے لیے سیرت نبوی ﷺ ایک عملی نمونہ ہے جس پر عمل پیرا ہو کر نہ صرف اندرونی اتحاد ممکن ہے بلکہ عالمی سطح پر مؤثر سفارتی کردار بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ سیرت مبارکہ ﷺ ہمیں سکھاتی ہے کہ مضبوط دفاع صرف ہتھیاروں سے نہیں بلکہ ایمان، اخلاص، نظم اور حکمت پر مبنی قیادت سے ممکن ہے۔ اس تحقیق میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ سیرت النبی ﷺ میں دفاعی اتحاد کے پہلو کیا تھے؟ نبوی سفارت کاری کے نمایاں پہلو کون سے ہیں؟ موجودہ مسلم دنیا اس اصولوں سے کیا سیکھ سکتی ہے؟ کس طرح سیرت کی روشنی میں عصر حاضر کے سفارتی و دفاعی مسائل کا حل پیش کیا جاسکتا ہے؟ کس طرح نبی کریم ﷺ کی سیرت کو بنیاد بنا کر امت مسلمہ ایک مضبوط دفاعی اتحاد اور باعزت سفارتی حکمت عملی اختیار کر سکتی ہے۔ اس تحقیق کے بنیادی مقاصد سیرت النبی ﷺ میں دفاعی اتحاد اور سفارت کاری کا جائزہ لینا، ان اصولوں کی عصر حاضر میں افادیت کو اجاگر کرنا اور امت مسلمہ کے اتحاد، امن اور ترقی کے لیے قابل عمل تجاویز پیش کرنا ہے۔ یہ مقالہ اس اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے کہ یہ مسلمانوں کو ایک فکری سمت فراہم کر سکتا ہے تاکہ وہ آپس کے اختلافات کو پس پشت ڈال کر نبوی حکمت کے تحت یکجا ہو جائیں۔ یہ تحقیق تاریخی، تجزیاتی اور تقابلی طریقہ کار پر مشتمل ہے۔ بنیادی مصادر میں قرآن و حدیث سیرت کی مستند کتب اور اسلامی ریاست کے اولین نمونوں کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ ثانوی مصادر میں عصر حاضر کے مسلم مفکرین کی آراء، بین الاقوامی تعلقات کے موجودہ نظریات اور دفاعی تجزیے شامل ہیں۔

تعارف:

اسلام ایک ہمہ جہت دین ہے جو نہ صرف انفرادی اصلاح بلکہ اجتماعی فلاح اور بین الاقوامی تعلقات کے اصول بھی مہیا کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ اس بات کی عملی مثال ہے کہ ایک قوم کس طرح بکھرے ہوئے قبائل کو ایک دفاعی اتحاد میں بدل سکتی ہے اور کمزور ریاست کو بین الاقوامی طاقتوں کے برابر لا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوا"[1]

[1] آل عمران:۱۰۳

"اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔"

یہ آیت دفاعی اتحاد کی فکری بنیاد فراہم کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسی حکم الٰہی کی روشنی میں مہاجر و انصار کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم کر کے معاشرتی اور دفاعی وحدت کو فروغ دیا۔ میثاقِ مدینہ کو سیرتِ نبوی ﷺ کی اولین تحریری سفارتی دستاویز کہا جا سکتا ہے، جس میں مختلف مذاہب و قبائل کو ایک سیاسی معاہدے کے تحت متحد کیا گیا، جو بین الاقوامی تعلقات اور پرامن بقائے باہمی کی روشن مثال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا[2]

"مومن، مومن کے لیے ایک عمارت کی مانند ہے، جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔"

یہ حدیث دفاعی اتحاد کے عملی تصور کی بنیاد ہے جو ہمیں یاد دلاتی ہے کہ ایک امت کی بقاء، اس کے باہمی تعاون اور ہم آہنگی میں مضمر ہے۔

صلح حدیبیہ آپ ﷺ کی غیر معمولی سفارتی حکمت عملی کا مظہر ہے، جسے قرآن نے فتح مبین قرار دیا:

"إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا"[3]

"بے شک ہم نے تمہیں ایک نمایاں فتح عطا کی۔"

یہ معاہدہ بظاہر کمزور معلوم ہوتا تھا، مگر اس نے آئندہ کے لیے فکری، معاشی اور دعوتی راہیں کھول دیں۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ نے انسانیت کی ہر میدان میں راہنمائی فرمائی ہے۔ الغرض ایک مسلمان کے لیے حضرت محمد ﷺ کی سیرت سے باخبر رہنا اور اس کو اپنانا ضروری اور نہایت اہم ہے۔

سیرت کا مفہوم:

یہ لفظ اردو اور فارسی میں "سیرت" اور عربی میں "السیرۃ" استعمال ہوتا ہے۔ اس کا مادہ س، ی، ر ہے۔

سار یسیر سیر اًو سیرۃً و مسیرۃً (باب ضرب یضرب) اس میں دو احتمال ہیں۔ یہ سار یسیر سے مصدر بنتا ہے اور اس صورت میں اس کا معنی ہوتا ہے: چلنا راستہ لینا، رویہ یا طریقہ اختیار کرنا، روانہ ہونا، عمل پیرا ہونا،[4] جب کہ تحقیقی بات یہ ہے سار یسیر سے فعلۃ کا وزن ہے جس کے معنی چلنے کا انداز اور طریقہ۔ جیسے "ذبحۃ" کا معنی ہے ذبح کا طریقہ اور "قتلۃ" کا معنی ہے قتل کا طریقہ۔[5]

اسلوب، چال چلن، حالت، رویہ، کردار، خصلت و عادت۔[6]

یہ لفظ اگرچہ عام ہے تاہم نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ خاص ہے لفظ سیرۃ مفرد ہے اور اس کی جمع سِیَر ہے جیسے امام محمد کی کتابیں السیر الصغیر و السیر الکبیر۔

---

[2] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت، دار الکتب العلمیہ، رقم الحدیث: ۴۸۱

[3] سورۃ الفتح: ۱

[4] ابو الفضل بلیلاوی، عبد الحفیظ، مصباح اللغات، مطبع مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۹۲، ص ۴۱۰، مادہ س، ی، ر

[5] کیرانوی، مولانا وحید الزمان، قاموس الوحید، مطبع ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۰۱، ص ۸۳۱

[6] ایضاً

سیرت کا اصطلاحی مفہوم:

سیرت کا اصطلاحی مفہوم مندرجہ ذیل طریقے سے بیان کیا گیا ہے:

1۔السیرة: الحاقة التی یکون علیها الانسان وغیرہ غریزیاً کان او مکتسباً

ترجمہ: سیرت سے مراد وہ حالت ہے جس پر انسان قائم ہو چاہے وہ طبعی و غیر اختیاری (قدرتی) ہو چاہے وہ کسب کی گئی ہو۔

2. Life of the prophet Muhammad manner of dealing with others, conduct and biography.[7]

آنچہ متعلق بوجود پیغمبر و صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم و آں عظام است و از ابتداءِ تولدِ آنجناب تا غایتِ وفات آں را سیرت گویند۔[8]

وہ نبی علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ کی وجود سے متعلق ہو اور آپ علیہ السلام کی ولادت مبارک سے لے کر وفات تک کے حالات کو سیرت کہتے ہیں۔

عہد مکی و مدنی کا خلاصہ:

سیرت النبی ﷺ کو عمومی طور پر دو ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1۔عہدِ مکی (نبوت کے ابتدائی ۱۳ سال)

(بعثت: ۶۱۰ تا ہجرت: ۶۲۲ عیسوی)

رسول اللہ ﷺ نے ۴۰ سال کی عمر میں نبوت کا اعلان فرمایا۔ یہ دور مکہ مکرمہ میں گزرا، اور اس کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ دعوتِ توحید اور عقیدے کی بنیاد

سب سے پہلے آپ ﷺ نے لوگوں کو توحید، رسالت اور آخرت کی دعوت دی۔ بت پرستی، شرک، اخلاقی انحطاط اور جاہلیت کے خلاف جہاد فرمایا۔

ابتدا میں تین سال تک خفیہ طریقے سے دعوت دی گئی پھر اعلانیہ طور پر ہو گئی۔

۲۔ مخالفت، ظلم اور استقامت

قریشِ مکہ نے سخت مزاحمت کی، آپ اور صحابہ پر ظلم ڈھائے گئے۔ حضرت بلالؓ، خبابؓ، یاسرؓ، سمیہؓ وغیرہ نے سختیاں برداشت کیں۔ شعبِ ابی طالب میں معاشرتی بائیکاٹ ہوا۔

۳۔ حبشہ کی ہجرت ۵ نبوی)

مسلمانوں کی ایک جماعت نے عیسائی بادشاہ نجاشی کے دربار میں پناہ لی۔

۴۔ طائف کا سفر (۱۰ نبوی)

---

[7] تھانوی، محمد بن اعلیٰ، کشاف اصطلاحات الفنون

[8] شاہ عبد العزیز، عجالہ نافعہ

آپ ﷺ نے مکہ سے باہر دعوت کا آغاز کیا، لیکن طائف میں سخت تکلیف دی گئی۔

۵۔ معراج النبی ﷺ (۱۰ نبوی)

اللہ تعالیٰ نے تسلی و انعام کے طور پر معراج کرائی۔[9]

۶۔ بیعتِ عقبہ اور انصار کی تیاری

مدینہ سے آنے والے کچھ افراد نے اسلام قبول کیا اور دو بیعتیں کیں، جو بعد میں اسلامی ریاست کے قیام کا ذریعہ بنیں۔

2۔ عہدِ مدنی (ہجرت کے بعد کے ۱۰ سال)

(ہجرت: ۶۲۲ تا وصال: ۶۳۲ عیسوی)

۱۔ ریاست مدینہ کا قیام:

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ یہ دور زیادہ تر حکومتی، معاشرتی، دفاعی، اور بین الاقوامی سطح پر قیادت کے مظاہر پر مشتمل ہے۔ اس دور میں ریاستِ مدینہ قائم کا قیام عمل میں آیا۔ مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی۔ مہاجرین و انصار کے درمیان رشتہ مواخات قائم کیا گیا۔ "دستورِ مدینہ" کے ذریعے مسلمانوں، یہودیوں اور دیگر قبائل میں پر امن تعلقات قائم کیے گئے۔

۲۔ اسلامی معاشرت و نظام کا نفاذ:

اسلامی معاشرت اور نظام کے نفاذ کے لیے زکوٰۃ، نماز، روزہ، حج، حلال و حرام، نکاح و طلاق، وراثت جیسے احکام نازل ہوئے۔ اس کے علاوہ عدل و انصاف کا قیام کیا گیا۔

۳۔ دفاعی اقدامات اور غزوات:

مسلمانوں پر کفارِ مکہ نے حملے کیے، دفاعی جنگیں ہوئیں۔

اہم غزوات:

1. بدر (۲ ہجری): پہلی بڑی فتح (الفرقان یوم بدر)
2. احد (۳ ہجری): وقتی شکست مگر ایمانی درس
3. خندق (۵ ہجری): اتحادِ کفار کے خلاف عظیم حکمت عملی
4. خیبر (۷ ہجری): یہودی قلعہ بندی کا خاتمہ
5. فتح مکہ (۸ ہجری): بغیر جنگ کے مکہ کا فتح ہونا
6. حنین و تبوک (۹ ہجری): جزیرۂ عرب میں اسلام کا غلبہ

۴۔ بین الاقوامی تعلقات اور سفارت کاری:

---

[9] الاسراء: ۱

روم، فارس، حبشہ اور دیگر بادشاہوں کو خطوط ارسال کیے گئے۔ اور صلح حدیبیہ (۶ ہجری) امن کی بنیاد بنی۔

۵۔ حجۃ الوداع اور تکمیلِ دین:

۱۰ ہجری میں آپ ﷺ نے آخری حج ادا کیا اور تاریخ ساز خطبہ دیا۔ اور دین کے مکمل ہونے کا اعلان کیا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا[10]

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

عہدِ مکی نے عقیدے، اخلاق اور صبر کی بنیاد فراہم کی، جبکہ عہدِ مدنی نے ریاست، عدل، معاشرت، قانون، خارجہ پالیسی، سفارت کاری اور بین الاقوامی تعلقات کا عملی نمونہ پیش کیا۔ دونوں ادوار کی سیرت آج کے ہر مسلمان کے لیے مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

سفارت کاری کا مفہوم:

سفارت کاری Diplomacy / Diplomatic ایک یونانی لفظ ہے جو لفظ Diploma ڈپلومہ سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے بادشاہ کی طرف سے جاری شدہ لپٹی ہوئی سند ہے جو حامل کو خصوصی امرات کا حقدار بناتی ہے۔ اس سے مراد ایک سرکاری سند یا سرٹیفکیٹ ہے جو ایک ایلچی کے لیے ہدایات اور اس کی ذمہ داریوں پر مشتمل اور سربراہ مملکت کی جانب سے جاری شدہ سفارت پر مبنی ہوتا ہے تاکہ حامل اس کو پیش کر کے اپنا استقبال کروا سکے اور مختلف علاقوں میں بآسانی نقل و حرکت کر سکے۔ اس سند و سرٹیفیکیٹ کی ایک مخصوص شکل و صورت ہوتی ہے، بعد ازاں اس لفظ کا مفہوم کئی معنی میں استعمال ہونے لگا۔ جن میں پیشہ، مذاکرات، محبت شائستگی، خارجہ پالیسی شامل ہیں۔ بحیثیت علم سفارت کاری کے کچھ قواعد، بحیثیت فن کچھ اصول اور بحیثیت پیشہ کچھ روایات ہیں جس کا مطلب ملکوں اور تنظیموں کے مابین تعلقات سے بہتر مقاصد حاصل کیے جا سکیں اور سیاسی و انفرادی اور سلامتی سے متعلق عظیم مقرر مفاد حاصل کیے جا سکیں۔

سفارت کاری کا زیادہ تر انحصار کئی خصوصی قابلیتوں پر ہوتا ہے، ان میں سمجھداری، تہذیب و شعور، فراست و حکمت، موقع شناسی، ہوشیاری، تدبر و اخلاص شامل ہیں۔ سفارت کاری ایک ایسا علم ہے کہ اسے پڑھا سیکھا اور اس کے قوانین اور اصولوں کو جانا جاتا ہے اور فن کے اعتبار سے یہ حساس پیشہ ہے کیونکہ سفارت کاری ایسے تصورات، قواعد، کارگزاریوں، قوانین، انتظامات اور بین الاقوامی روایات کے مجموعے کا نام ہے جو ملکوں اور مختلف بین الاقوامی اداروں عاور سفارت کار نمائندوں کے مابین تعلقات کو مضبوط بناتے ہیں تاکہ ان کی عظیم تر سیاسی اقتصادی اور سلامتی سے متعلق مفادات کا تحفظ کیا جا سکے اور باہمی روابط، تعلقات، سیاسی مذاکرات اور بین الاقوامی معاہدے سرانجام دیے جا سکیں۔[11]

عمل سفارت کاری اور اس کے مرتبے کے متعلق احمد عطیہ لکھتے ہیں کہ:

"فهو أعلى مراتب السلک الدبلو ماسی و هو رئیس بعثه دبلوماسیة تعارف بالسفارة"

"پس ڈپلومیسی کے باب میں ایک اعلی مرتبہ ہے جو سیاسی روابط کا رئیس ہوتا ہے اور سفارت کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔"[12]

---

10 المائدة: ۳

11 سیاسی انسائیکلوپیڈیا، المؤسسۃ لعربیہ للدراسات والسنز، بیروت، ۱۹۸۷، حصہ دوئم

12 عطیہ اللہ، احمد القاموس سیاسی، بیروت، ص ۶۴۴، س ن

سفارت کاری کو سائنس اور آرٹ سے بھی تشبیہ دی گئی ہے۔

"Diplomacy is a science, art, administration and direction of international affairs and it is a profession of different specialized functions affairs and it is a profession of different specialized functions aiming to serve on behalf of all persons."[13]

سفارت کاری کی تاریخ:

سفارت کاری کی تاریخ قدیم ہے اور زمانہ قدیم سے ہی سفارت کاری کا نظام لوگوں اور اقوام میں رائج رہا ہے، کیونکہ اس زمانے میں باقاعدہ سفارت کاری کو ایک درجہ حاصل نہ تھا بلکہ سفارت کاری ایک جزوقتی عمل ہوتا تھا جس میں سفیر کو جزوقتی ذمہ داری دی جاتی اور اس ذمہ داری کو مکمل کرتے ہی وہ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتا تھا۔ جیسے کسی قوم کے ساتھ معاہدہ کرانا یا جنگ کے بعد صلح کرانا وغیرہ وغیرہ۔

سفارت کاری کی تاریخ کے بارے میں دو آراء پائی جاتی ہیں ایک رائے کے مطابق یہ زمانہ قدیم سے رائج ہے دوسری تاریخ کے مطابق سفارت کاری کی تاریخ بشپ روم کے زمانے سے شروع ہوئی جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ:

سفارت کاری زمانہ قدیم سے ہے جس کی تاریخ ابتدائی قبائلی ادوار اور پہلی انسانی جماعتوں تک پہنچتی ہے جب ان کے درمیان اس زمانے کے مخصوص طریقوں اور قوانین کے مطابق جنگ وامن اور صلح کے معاہدے کیے جاتے۔ اس کے نقوش فراعنہ اور اشوری زمانوں کے آثار میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی جھلک چین، ہندوستان، یونان اور رومن تاریخوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ مشرق قریب کی قدیم تہذیب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سفارت کاری کا سورج دور فراعنہ اور میسوپوٹیمیا کی تہذیبوں میں طلوع ہوا۔ ان دنوں بین الاقوامی تعلقات مصر، شام، ملک فارس یہاں تک کہ ہندوستان کی جانب سے وضع کردہ خارجہ پولیسی کو کامیاب بنانے کے لیے سرانجام دیے جاتے۔ اس طرح تمام عمومی و خصوصی مشکلات کا حال ان ملکوں کے ذریعے نکالا جاتا جو دونوں جانب کے ایلچی یا فرستادے طے کیا کرتے تھے۔ دوسری رائے کا مطابق سفارت کاری کی تاریخ بشپ روم یعنی Roman Holy ssc catholic church سے شروع ہوئی۔ بایں طور کہ اٹلی میں سفارت کاری کا پہلا قدم بشپ کی سفارت کاری سے رکھا گیا، جس کے لیے اٹلی میں پہلے دفتر کا قیام عمل میں لایا گیا۔[14] سفارت کاری کا قدیم زمانے میں اپنا ایک مزاج اور طریقہ تھا لیکن جب ارتقاکے عمل نے گردش شروع کی تو ایسے میں سفارت کاری میں جدت اور ارتقاء کا عمل جاری ہوگیا، کیونکہ زمانہ قدیم میں نقل و حمل کے ذرائع مسدود تھے۔ اس لیے کسی قوم سے متعلق معلومات یا اطلاعات حاصل کرنا کافی مشکل کام تھا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں کافی وقت لگتا تھا۔ اس معنی میں اطلاعات کی رسائی کا اہم ذریعہ سفیر ہوا کرتا تھا جس کے لیے وہاں جاکر اور معلومات حاصل کرنے کے لیے مقیم رہنا پڑتا تھا۔ قدیم زمانے میں سفیر جب کسی سفارتی عمل کو سرانجام دینے کے لیے نکل پڑتا تو وہ سفارت کاری

---

[13] Hussain Al-sheikhani, The International Colleges of Islamic p.174 London

[14] www.almultaqm.com

کے ساتھ بہت سی اہم چیزیں اپنے ساتھ لے جاتا جس میں کتابیں، نوادر اور قوموں سے متعلق ایسی اطلاعات بہم پہنچاتے جن کے حصول کا کوئی اور ذریعہ نہ تھا۔[15]

قبل از اسلام عربوں کی سفارتی سرگرمیاں:

عربوں نے ہر زمانے میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا، چاہے وہ سیاسی میدان ہو، مذہبی، معاشرتی یا معاشی۔ عرب نے سیاسی میدان میں اپنے زمانے کے ہر ذریعہ و وسیلہ کو بروئے کار لا کر اقوام میں اپنی اہمیت ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ ایک بلند مقام بھی حاصل کیا ہے۔ چونکہ سرزمین عرب جغرافیائی حدود کے لحاظ سے زمین کا وسط بھی کہلاتی ہے اور مشرق سے مغرب تک یا مغرب سے مشرق تک آمدورفت کے لیے اس زمین سے گزر کر جانا پڑتا ہے، اس لیے جب عرب کو اپنے مفادات کے حصول کے لیے دیگر ممالک و اقوام سے تعلقات کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے بھی سفارتی مشن کو استعمال میں لا کر اپنے مفادات کے حصول کو یقینی بنایا۔ اس کے علاوہ عرب چونکہ ایک جنگجو قوم ہے اور جنگ کے دوران لامحالہ ایک لمحہ مذاکرات کا بھی ہوتا ہے جس کے لیے عرب ایک ذہین اور وجیہہ شخص کا انتخاب کر کے روانہ کرتے، جو اپنے مقصد کی بھرپور نمائندگی کے ساتھ اس کا حصول بھی یقینی بنانے کی کوشش کرتا۔ بعثت نبوی ﷺ سے قبل بھی عربوں کی دیگر سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ سفارتی سرگرمیاں بھی قائم رہیں۔ وہ اپنی قبیلے کے افراد کے ذریعے دیگر قبائل سے پیغامات اور گفت وشنید کا سلسلہ قائم کرتے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی بیان کرتے ہیں کہ:

> جنگ بعاث میں جب قبیلہ اوس کو شکست ہونے لگی تو انہوں نے ایک وفد ابوالحسیس کی سربراہی میں قریش مکہ کے پاس بھیجا تھا اس وفد میں ایاس بن معاذ بھی تھے قبیلہ اوس نے یہ سفارتی رابطہ اس لیے کیا تھا کہ قریش مکہ کو اپنا حریف بنالیں اور جنگ میں ان سے خزرج کے خلاف مدد حاصل کریں۔[16]

رسول ﷺ بحیثیت سفارت کار:

رسول اللہ ﷺ نے جب سیاسی طور پر سفارت کاری کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ صلح حدیبیہ کے طرف متوجہ ہوئے۔ دین اسلام کو مرتبہ و منزلت سیاسی طور پر صلح حدیبیہ میں کامیاب سفارت کاری کے ذریعے سے ملی ہے۔ یہ وہ سفارت کاری تھی جس نے اسلام کی قوت، غلبہ اور شان وشوکت کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد آپ ﷺ دیگر ممالک کو پیغام دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ لہذا آپ ﷺ نے مختلف شخصیات کے ذریعے مختلف ممالک مثلاً یمن، حضرموت، روم، فارس اور حبشہ وغیرہ کے طرف سفراء کے ذریعے پیغام بھیجا۔

سفارت کاری کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے بنیادی طور پر ان کو جو دعوت دی ہے اس کی اساس اور بنیاد عقیدہ اور دین تھا۔ ریاست مدینہ کے قیام کے بعد رسول اللہ ﷺ باقاعدہ سفارتی رابطوں کے نظم کی طرف متوجہ ہوئے کیونکہ آپ ﷺ سفارتی رابطوں کی اہمیت سے بخوبی باخبر تھے، اس لیے آپ ﷺ نے اپنے اصحاب میں چند افراد کا انتخاب کیا اور ان کو سفارتی مہموں پر روانہ کیا۔ جو کہ درج ذیل ہیں:

---

15 مجید خدودی، اسلام اور قانون جنگ و صلح، مترجم غلام رسول مہر، مکتبہ معین الادب، لاہور، ۱۹۵۹ء، ص

16 نعمانی، شبلی، سیرۃ النبیؐ، مطبوعہ قرآن محل، کراچی، س ن، ج ۱، ص ۲۶۱

رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کے پاس سفیر بنا کر بھیجا، اس نے آپ ﷺ کے خط کو لیا، اپنی انکھوں سے لگایا اور اپنے تخت سے اترا زمین پر بیٹھا پھر وہ اسلام لایا۔ اسی طرح جعفر بن ابی طالب بھی۔ حضرت دحیہ بن الخلیفہ کلبی کو ہرقل عظیم روم کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ حضرت عبد اللہ بن حذافہ بن سہمی کو فارس کے بادشاہ کسری کے پاس اور حاتم بن ابی بلتعہ اللخمی کو اسکندریہ اور مصر کے بادشاہ مقوقس کے پاس بھیجا۔ حضرت عمرو بن عاص کو عمان کے بادشاہ کی طرف بھیجا۔ حضرت سلیط بن عمرو العامری کو یمامہ کی طرف اور حوضہ بن علی کو الحنفی کی طرف بھیجا اور شجاع بن الاسدی کو حارث بن شمر الغسانی، شام میں البلقاء کے بادشاہ کی طرف بھیجا۔ حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کو حارث الحمیری کی طرف بھیجا۔ العلاء بن الحضرمی کو منذر بن ساوی بحرین کے بادشاہ کی طرف بھیجا۔ حضرت ابو موسی اشعری اور معاذ بن جبل کو پورے یمن کی طرف داعیان اسلام بنا کر بھیجا۔

نبوی قیادت کی اہم جہات:

رسول اللہ ﷺ کی قیادت ہر لحاظ سے جامع، متوازن اور ہمہ گیر ہے۔ آپ ﷺ نے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں قیادت کا عملی نمونہ پیش فرمایا۔ نبوی قیادت کی چند اہم جہات درج ذیل ہیں:

۱۔ روحانی و اخلاقی قیادت

رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے انسان کی روحانی اور اخلاقی تربیت کی۔ آپ ﷺ کا مشن انسان کو اللہ سے جوڑنا، شرک سے بچانا، اور اعلیٰ اخلاق سکھانا تھا۔

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"[17]

ترجمہ: "بے شک رسول اللہ ﷺ تمہارے لیے بہترین نمونہ ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ"[18]

ترجمہ: "مجھے تو حسنِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔"

۲۔ سماجی و معاشرتی قیادت

آپ ﷺ نے مساوات، عدل، اخوت اور رحم دلی پر مبنی معاشرہ قائم فرمایا۔ عورتوں، غلاموں، بچوں، بوڑھوں، یتیموں اور اقلیتوں کو حقوق دلوائے۔

فتح مکہ کے بعد عام معافی کا اعلان کر کے تاریخ انسانی کی عظیم مثال قائم فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ"[19]

[17] الاحزاب:۲۱

[18] البخاری، صحیح بخاری، کتاب الادب المفرد، باب حسن الخلق، رقم الحدیث:۲۷۳

[19] ابن ھشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویہ، تحقیق: مصطفی السقا، داراحیا التراث، بیروت لبنان، ج ۲:۴۱۲

ترجمہ: "جاؤ! تم سب آزاد ہو۔

۳۔ سیاسی و ریاستی قیادت

ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ میں اسلامی ریاست قائم کی، جس کی بنیاد عدل، مساوات اور باہمی احترام پر تھی۔

دستورِ مدینہ:

تاریخ کا پہلا تحریری آئین تھا جس میں مسلمانوں، یہودیوں اور دیگر قبائل کے درمیان باہمی حقوق و فرائض قائم کیے گئے۔ اور شہری آزادی، مذہبی رواداری اور سکیورٹی کا مکمل انتظام کیا گیا۔[20]

۴۔ دفاعی و عسکری قیادت

رسول اللہ ﷺ نے دفاعی حکمت عملی کے ساتھ ظلم و جبر کے خلاف جہاد کیا، لیکن ہمیشہ امن کو ترجیح دی۔ ہر جنگ سے پہلے صلح کی دعوت دی جاتی۔

۵۔ سفارتی قیادت

رسول اللہ ﷺ نے بادشاہوں اور سربراہان کو خطوط ارسال کیے، جن میں اسلام کی دعوت، امن اور انصاف کا پیغام تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے قیصر روم، کسریٰ ایران، نجاشی حبشہ وغیرہ کو دعوتی خطوط لکھے جس سے بین الاقوامی سفارت کاری کی بنیاد پڑی۔[21]

۶۔ تعلیمی و تربیتی قیادت

رسول اللہ ﷺ نے تعلیم کو اولین ترجیح دی۔ "صفہ" کے نظام، مساجد میں تعلیم، اور ہر موقع پر تربیت کو اپنایا۔

۷۔ معاشی قیادت

آپ ﷺ نے تجارت کو پاکیزہ بنایا، زکوٰۃ اور صدقات کا نظام متعارف کروایا، اور سودی نظام کی بیخ کنی کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے؛

"وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا"[22]

ترجمہ: "اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

نبوی قیادت ایک ہمہ جہت، ہمہ گیر اور کامل نظامِ قیادت ہے جو ہر دور اور ہر قوم کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت میں ہمیں روحانیت، اخلاق، سیاست، دفاع، معاشرت، تعلیم، معیشت اور بین الاقوامی تعلقات کی وہ مثالیں ملتی ہیں جو آج بھی جدید دنیا کو رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔

سیرت النبی ﷺ میں دفاعی حکمت عملی:

[20] ابن هشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویہ، ج:۱، ص:۵۰۱

[21] ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، تحقیق: عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی، ناشر: دار ہجر، قاہرہ، مصر، ۱۴۲۶ھ، ج۴، ص ۱۱۴

[22] البقرۃ:۲۷۵

خطہ عرب جس میں انسانیت کے آخری نجات دہندہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی۔ لڑائی جھگڑا ان کا معمول تھا۔ معمولی تنازعات پر صدیوں جنگ کا بازار گرم رہتا تھا۔ ان حالات میں رسالت مآب ﷺ کی زیر قیادت ریاست مدینہ کا قیام عمل میں آیا۔ مشکل حالات اور محدود وسائل کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ریاستی دفاع کا خاطر خواہ انتظام فرمایا۔ دشمنانِ دین پر کڑی نظر رکھی۔ جنگ کی صورت میں جنگی تکنیک اور حکمتِ عملی کو بروئے کار لاتے ہوئے غنیم کو شکستِ فاش سے دوچار کیا اور روم جیسی سلطنت کے دانت کھٹے کر دیے۔ اگر آج بھی آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دفائی اصولوں پر عمل کیا جائے تو ہر میدان میں کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت حربی کا اگر جائزہ لیا جائے نہایت قطعیت کے ساتھ اور ہر طرح کے شک وشبہ سے ماورہ ہو کر یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ فتح و کامرانی کا راز آپ ﷺ کی شخصی شجاعت، بے مثال قوتِ اعصاب اور حربی حکمت عملی پر مبنی تھا۔ خطرناک سے خطرناک اور نازک سے نازک موقع پر بھی قائم رہے۔ انتہائی سنگین حالات میں بھی آپ ﷺ پوری سرعت کے ساتھ جنگی تدبیریں وضع کرتے اور ان پر عمل پیرا ہوتے۔

میثاقِ مدینہ:

میثاقِ مدینہ رسول اللہ ﷺ کی عظیم سفارتی کامیابی تھی جس نے مدینہ مین مختلف قبائل اور مذاہب کے لوگوں کو جمع کیا۔ نبی اکرم ﷺ کی خارجہ پالیسی میں یہ بات ایک بڑی حکمت عملی سمجھی جاتی ہے کہ مدینہ منورہ میں جب آپ ﷺ نے "میثاق مدینہ" کی صورت میں یہودیوں کے ساتھ ایک مشترکہ ریاست تشکیل دی تھی جس پر یہودی قائم نہ رہے اور معاہدہ شکنی کی پاداش میں یکے بعد دیگرے یہودیوں کے تینوں قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ مدینہ منورہ سے جلاوطن ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے خیبر کو مرکز بنا کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور مسلمانوں کو یہودیوں کے ساتھ یہ فیصلہ کن جنگ نظر آنے لگی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی جنگ سے پہلے قریش مکہ کے ساتھ "معاہدہ حدیبیہ" کر کے اس محاذ کو خاموش کیا اور اس کے فوراً بعد خیبر پر حملہ کر کے یہودیوں سے نمٹنے کا اہتمام کیا جو کہ جنگی اور سفارتی فراست و تدبر کا شاہکار ہے۔ اس معاہدے نے نہ صرف مدینہ میں امن قائم کیا بلکہ ایک ایسی مثال قائم کی جس کو بعد میں اسلامی ریاستوں نے نمونے کے طور پر استعمال کیا۔

عباس محمود العقاد المصری صلح حدیبیہ کے ذیل میں اپنی کتاب "محمد ﷺ" میں حضور نبی کریم ﷺ کی حیرت انگیز سیاسی بصیرت اور خارجہ پالیسی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> اس معاہدے کے بعد حضور رسالت مآب ﷺ کو قریش کی طرف سے قدرے اطمینان ہو گیا اور آپ ﷺ نے اپنی توجہ خیبر کے یہودیوں کی طرف مبذول فرمائی۔ یہودیوں نے خیبر کی بستی کو اسلام دشمن سرگرمیوں کا مضبوط قلعہ بنا رکھا تھا، اس کے علاوہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بیرونی ممالک کے سربراہوں کے نام دعوتی خطوط بھی ارشاد فرمائے اور اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام زیادہ توجہ سے فرمانے لگے۔[23]

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب قرآن مقدس کی یہ آیت نازل ہوئی "اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا"[24] تو بہت سے مسلمان ان کے مفہوم کو سمجھ نہیں پائے تھے اور سوچتے تھے کہ یہ فتح کی کون سی قسم ہے لیکن دو سال کے مختصر عرصے میں انہوں نے فتح مبین کا مشاہدہ خود اپنی آنکھوں سے کیا

[23] العقاد المصری، عباس محمود عبقری، محمد ﷺ، دار التالیف مصر، ص ۶۹

[24] فتح: ۱

اور تب انہیں اندازہ ہوا کہ بسا اوقات محض گفتگو اور سیاسی سوجھ بوجھ کے ذریعے بھی جنگ جیتی جا سکتی ہے۔ صلح حدیبیہ حضور ﷺ کی حیرت انگیز سیاسی بصیرت کا ایک بے مثال اور نا قابل فراموش کارنامہ ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے بین الاقوامی سطح پر برابری اور رواداری کے باوجود اگر کہیں سے کوئی چیلنج سامنے آیا تو اسے قبول کرنے میں اُمّت کو کمزوری نہیں دکھانے دی اور چیلنج کو قبول کر کے اس کا بروقت سامنا کرنے پہ راغب فرمایا۔

اسلام کی خارجہ پالیسی کا اصول یہ ہے کہ باوقار زندگی کے لیے پُر امن جدوجہد جاری رکھی جائے۔ اگر کوئی شرپسند اس راہ میں حائل ہو تو اس حد تک اس کے خلاف کارروائی کی جائے جس حد تک اس کی ضرورت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے مختلف اقوام کے ساتھ دوستی کے معاہدے کیے۔ جو قومیں غیر جانبدار رہنا پسند کرتی تھیں ان کی غیر جانبداری کا احترام کیا۔ الغرض صلح حدیبیہ رسول اکرم ﷺ کی بہترین خارجہ پالیسی کا آئینہ دار ہے اور آج کے مسلم ممالک کے حکمرانوں کے لئے عملی نمونہ بھی ہے۔

غزوات کا پس منظر اور اصول:

غزوات رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں لڑی جانے والی جنگیں تھیں، جن میں آپ ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی۔ ان غزوات کا پس منظر مسلمانوں اور کفار کے درمیان مذہبی، سیاسی، اور معاشی کشمکش تھی اور یہ ایک طویل عرصے پر محیط ہے۔ مکہ میں اسلام کی اشاعت کے بعد مسلمانوں کو کفار کی جانب سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ کفار نے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، ان کے جان ومال پر حملے کیے، اور ان کو دین اسلام سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اسلام کا اصل مقصد فتنہ کو ختم کرنا اور اللہ کی وحدانیت کو قائم کرنا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ[25]

ترجمہ: اور راہ خدا میں تم ان لوگوں سے قتال کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو کیونکہ اللہ تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

جب مسلمانوں نے ہجرت کر کے مدینہ میں پناہ لی تو یہاں بھی کفار نے ان کا تعاقب کیا۔ ان حالات میں مسلمانوں نے اپنے دفاع اور اسلام کی سر بلندی کے لیے جنگیں لڑیں۔ ان غزوات میں بنیادی اصولوں کی پاسداری کی جاتی تھی جن کو رسول اللہ ﷺ نے اسلامی تعلیمات اور جنگی اخلاقیات کا حصہ قرار دیا تھا۔ ان اصولوں میں سے چند یہ ہیں:

1. جنگ کے دوران بے جا قتل وغارت نہ کی جائے۔ ہر حال میں انسانیت کا احترام کیا جائے۔
2. اگر جنگ کے دوران بچوں یا عورتوں سے سامنا ہو تو ان کے ساتھ سختی کا معاملہ نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں قتل کیا جائے، اسی طرح بوڑھوں کو جنگ میں قتل نہ کیا جائے۔
3. لاشوں کا مثلہ نہ بنایا جائے، کسی بھی صورت میں لاش کی بے حرمتی نہ کی جائے۔
4. جنگ میں مذہبی پیشواؤں اور معابد کے نگران کاروں کو قتل نہ کیا جائے۔

[25] البقرہ: ۱۹۰

5. قیدیوں اور دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان مندی کی جائے۔
6. جنگ میں جلا کر نہ مارا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے طریقے پر سزا دینا درست نہیں۔
7. فصلوں اور درختوں کو بلاوجہ نقصان پہنچانا منع تھا، سوائے اس کے کہ دشمن کی کمین گاہ ہو۔
8. جنگ میں جانوروں کو بھی جلانے یا نقصان پہنچانے کی ممانعت تھی۔

فلسفۂ غزوات اور عصری تقاضے:

عصری تقاضے جو بھی ہوں، دنیا چاہے سائنٹیفک انداز میں پروان چڑھے یا مادی انداز میں، سیرت طیبہ کے رہنما اصول آج بھی اسی طرح قابلِ عمل ہیں جس طرح ۱۴ صدیاں قبل تھے۔ جہاں تک عصری تقاضے اور ملتِ اسلامیہ کی غزوات سے رہنمائی کا تعلق ہے تو یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آج ہر طرف سے اسلام مخالف قوتیں مسلمانوں کو سیاسی، معاشی، سماجی، دفاعی سطح پر پیچھے دھکیلنے اور روحانی و نظریاتی طور پر کمزور کرنے کیلئے کمربستہ ہیں۔ اس وقت سب سے اہم مسئلہ اتحاد عالمِ اسلام اور مسلمانوں میں جذبہ ایثار و قربانی کا فقدان ہے۔ یعنی کسی مسئلے پر امتِ مسلمہ متحد ہو کر بات کونے کو تیار نہیں سوائے چند ایک ممالک کے، پھر چاہے وہ فلسطین کا مسئلہ ہو یا مقبوضہ کشمیر میں ہونے والا مسلمانوں کا قتلِ عام۔ اتحاد اور ایثار و قربانی دو ایسے پہلو ہیں جو غزوات میں نظر آتے ہیں اور مسلمانوں کی فتح میں اہمیت کے حامل ہیں۔ آج بھی اگر مسلمان اتحاد اور ایچار و قربانی کے جذبہ کو اپنالیں تو کرہ ارض پر کوئی طاقت مسلمانوں کو کمزور کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔

غزوات اور عصرِ جدید کی جنگی حکمتِ عملی:

موجودہ جنگی حکمتِ عملی اپناتے وقت ہمیں غزوات سے رہنمائی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔ مطالعہ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ مسلمانوں نے جتنی بھی فتوحات حاصل کیں ان کا "Source of Inspiration" حضور نبی کریم ﷺ کے غزوات، آپ ﷺ کی دفاعی حکمتِ عملی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا جذبۂ ایمان تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوات میں طرح طرح کی دفاعی تدابیر اختیار فرمائیں جو عصرِ جدید کی جنگی حکمتِ عملی میں بھرپور مدد و معاون اور قابلِ اطلاق ہیں دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ جنگی قوانین جو ۱۴۰۰ سال قبل رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو عطا فرمائے تھے وہ آج عالمی ادارے اور تنظیمیں انسانی بنیادوں پر متعین کر رہی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی اختیار کردہ کامیاب جنگی تدابیر (حکمتِ عملی) کی ایک واضح جھلک ہمیں درج ذیل پیرائے میں نظر آتی ہے۔

"He also very successfully employed the elements of surprise, speed and mobility in his campaigns. His enemy was often taken by surprise when they suddenly (SAWW) his forces at their gates. In order to keep his movements secret from his enemy, he followed complicated and sometimes even opposing routes to confuse them about his intentions, In

six of his major campaigns, his enemy was completely surprised to his forces."[26]

"انہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنی مہمات میں حیرت، نقل و حرکت اور رفتار جیسے عناصر کو نہایت کامیابی سے استعمال کیا۔ آپ ﷺ کے دشمن کو اکثر حیرت کا سامنا کرنا پڑتا جب دشمن اچانک آپ ﷺ کو لشکر سمیت اپنے دروازے پر کھڑا پاتا۔ اپنی نقل و حرکت سے دشمن کو بے خبر رکھنے کیلئے آپ ﷺ نے پیچیدہ اور حتی کہ بعض اوقات دشمن کو اپنے ارادوں سے متعلق الجھانے کیلئے مخالف راستوں کا انتخاب فرمایا۔ آپ ﷺ کی چھ بڑی مہمات میں دشمن آپ ﷺ کی افواج دیکھ کر مکمل طور پر حیران تھا"۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حکمتِ عملی میں چند اختراعات متعارف کروائیں؛ غزوہ احزاب میں مسلمانوں کا خندق کھودنا، آپ ﷺ کی اس حکمتِ عملی کا ثبوت ہے کہ قریش کی طرف سے اتحادی فورس کا سربراہ ابوسفیان حیران ہوا اور کہا کہ اللہ کی قسم! یہ حکمتِ عملی اہلِ عرب میں پہلے کوئی نہیں جانتا تھا۔[27] اس کے علاوہ بھی کفر و باطل کے جتنے معرکے ہوئے آپ ﷺ نے بے شمار تدابیر اختیار فرمائیں جن میں سے مذکورہ تین ایسی تدابیر ہیں جو ہمیں عصرِ جدید کی ملٹری ٹریننگ اور جنگی حکمتِ عملی میں بھی نظر آتی ہیں۔

غزوات میں صلہ رحمی کا تصور:

صلہ رحمی ایک ایسا عنصر ہے جسے اسلام میں باقاعدہ ضابطے کی حیثیت حاصل ہے اور جو نہ صرف ہمیں غزواتِ نبوی ﷺ میں نمایاں نظر آتا ہے بلکہ آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ صلہ رحمی کی عظیم امثال سے مزین ہے۔

"غزوہ حنین میں ۶۰۰۰ جنگی قیدیوں کو محسنِ انسانیت ﷺ نے صرف بطورِ احسان بلا فدیہ رہا فرمایا بلکہ رہائی کے وقت تمام قیدیوں کو ایک ایک چادر بطورِ ہدیہ عطا فرمائی"۔ مزید آپ (ﷺ) نے فتح مکہ اور دیگر مواقع پر صلہ رحمی کی جو مثالیں قائم فرمائی وہ تاریخ کا سنہری باب ہیں۔ اسی طرح پھر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صلہ رحمی کا جو عملی نمونہ پیش کیا تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے غزوات میں بھی احترامِ آدمیت کی تعلیم دی یعنی اگر آپ دشمن سے بر سرِ پیکار ہوں تب بھی یہ اجازت نہیں کہ آپ دشمن کی تذلیل کریں۔ غزوات کے بعد بھی دنیا میں جتنی اسلامی جنگیں لڑی گئیں اور مسلمانوں نے فتوحات حاصل کی ان میں بھی آپ ﷺ کی عطا کردہ صلہ رحمی اور حسنِ سلوک کی روایت برقرار رکھی گئی جس کی تاریخ میں بے شمار مثالیں موجود ہیں جن میں سے دو مثالیں ذیل میں بیان کی گئی ہیں۔

مثلاً ۷۱۱ء میں مسلمانوں نے اندلس فتح کیا تو فاتح قوم کے حسنِ سلوک کی گواہی ایک انگریز مؤرخ ول ڈیوراں کچھ ان الفاظ میں دیتے ہیں کہ اندلس پر عربوں کی حکومت اس قدر عادلانہ، عاقلانہ اور مشفقانہ تھی کہ اس کی مثال اندلس کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مزید اسی بات کے تسلسل میں کہتے ہیں کہ:

[26] International Business Research ; Vol 8, No-11; 2015 ISSN 1913-9004 E-ISSN 1913-9012 Published by Canadian center of Science and Education.

[27] Copmaigns _in_Modern_Business

"۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدّین ایوبی نے جب بیت المقدس فتح کیا تو کسی عیسائی کو کوئی تکلیف نہ دی اور معمولی سا ٹیکس (جزیہ) لگانے کے بعد سب کو مذہبی آزادی دے دی اور دورانِ جنگ جب عیسائیوں کا سپہ سالار رچرڈ اوّل بیمار ہوا تو صلاح الدّین ایوبی اسے کھانا، پھل اور دیگر مفرحات بھجواتا رہا"۔

یہ تھا مسلمانوں کا نظریۂ جنگ اور مفتوح اقوام سے حسنِ سلوک لیکن اس کے برعکس جتنی بھی غیر اسلامی جنگیں لڑی گئیں جو غیر مہذب و متمدن اقوام (جن کی نظر میں انسانی جان کی کوئی قدر و قعت نہ تھی اور جن کا پیشہ محض زمین پر فساد بپا کرنا تھا) نے لڑتے ہوئے تاریخ میں تذلیلِ انسانیت کی اندوہناک مثالیں قائم کیں جن کے تصور سے دل دہل جاتا ہے اور انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کس قدر بے رحمی سے انسانی اقدار پامال کی گئیں۔ گزشتہ صدی کی دو بھیانک مثالیں (جنگ عظیم اوّل اور جنگ عظیم دوم) ہمارے سامنے ہیں:

"جنگِ عظیم اوّل (۱۹۱۴تا۱۹۱۸ء) مجموعی طور پر ۷۵ لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ ایک کھرب ڈالر کے وسائل حیات کو نذرِ آتش کیا گیا"۔[28]

اسی طرح: "جنگ عظیم دوم (۱۹۳۵ء تا ۱۹۴۵ء) میں مجموعی طور پر ساڑھے چار کروڑ انسان ہلاک ہوئے۔ صرف ایک شہر سٹالن گراڈ میں دس لاکھ افراد لقمہ اجل بنے، جرمنی میں ساٹھ لاکھ افاد گیس چیمبروں کے ذریعے ہلاک کئے گئے۔ جاپان کے دو شہر مکمل طور پر صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ بیک وقت چار براعظموں یورپ، امریکہ، ایشیاء اور افریقہ پر مسلسل چھ برس تک اس منحوس جنگ کے مہیب سائے چھائے رہے"۔[29]

مذکورہ امثال سے اسلامی و غیر اسلامی تصور جنگ میں فرق بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

مسلم دنیا کے دفاعی مسائل اور ان کا حل:

مسلم دنیا کو درپیش دفاعی مسائل بنیادی طور پر اتحاد و یکجہتی کی کمی، قیادت کے بحران، عسکری و دفاعی صلاحیتوں کی کمزوری، اور مشترکہ دفاعی حکمت عملی کی عدم موجودگی پر مبنی ہیں۔ ان مسائل کی وجوہات میں فرقہ واریت، سیاسی تنازعات، وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم، اور عالمی سیاسی دباؤ شامل ہیں۔ ان مسائل کی بنا پر مسلم ممالک عالمی دفاعی نظام میں کمزور اور غیر مستحکم نظر آتے ہیں، جس سے دشمن قوتوں کو فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا ہے۔

دفاعی مسائل کے حل کے لیے چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

اجتماعی دفاعی معاہدے کا قیام: مسلم ممالک کو آپس میں ایسے دفاعی معاہدات کرنے چاہئیں جس سے اگر کسی ایک ملک پر حملہ ہوتا ہے تو سب پر حملہ تصور کیا جائے۔ اس طرح کا ماڈل نیٹو کی طرز پر عمل میں لایا جاسکتا ہے، جو اسلامی تعاون کی تنظیم کے رکن ممالک کے لیے بھی ممکن ہے۔ اس سے مسلمانوں کی مشترکہ دفاعی صلاحیتوں میں بہتری آئے گی اور بین الاقوامی سطح پر طاقت کا توازن قائم ہو گا۔

اتحاد و یکجہتی کی بحالی: فرقہ واریت، قوم پرستی، اور داخلی اختلافات کو ختم کرکے امت مسلمہ کو ایک سیاسی اور دفاعی بلاک کی صورت میں منظم کرنا ہو گا تاکہ باہمی تعاون اور مشترکہ دفاع میں آسانی ہو۔

[28] زاہد حسین انجم، جہانگیر انسائیکلوپیڈیا آف جنرل نالج، ص:۳۸۱

[29] ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور، جولائی ۱۹۹۵ء

قیادت کا بہتر انتخاب اور سیاسی استحکام: باصلاحیت، دیانتدار اور بصیرت رکھنے والی قیادت کا انتخاب جو امت کے مفادات کو مقدم رکھ سکے، سیاسی استحکام اور عدل و انصاف کو یقینی بنائے تاکہ دفاعی اور عسکری شعبے مضبوط ہوں۔

تعلیمی، سائنسی اور ٹیکنالوجی میں سرمایہ کاری: عسکری و دفاعی صلاحیتوں کو بڑھانے کے لیے جدید علوم، تحقیق اور ٹیکنالوجی کی ترقی ناگزیر ہے، تاکہ خود کفیل ہو کر دفاع کے شعبے میں مغربی ممالک پر انحصار کم کیا جاسکے۔

دفاعی نظام میں تعاون: مسلم دنیا کے اہم ممالک جیسے پاکستان، سعودی عرب، ترکی، ایران، اور دیگر کو مل کر نیٹو طرز کا دفاعی اتحاد قائم کرنا چاہیے، جس سے مشترکہ عسکری مشقیں، وسائل اور انفراسٹرکچر کا اشتراک ممکن ہو۔

غیر مسلم قبضہ شدہ علاقوں کے دفاع کی حکمت عملی: فلسطین، خصوصاً غزہ اور دیگر مقبوضہ علاقوں کے دفاع کے لیے اسلامی ممالک کو متحد ہو کر عملی اقدامات کرنے ہوں گے تاکہ ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہو سکے۔

عالمی سطح پر مسلم دنیا کی آوازی کو مضبوط بنانا: عالمی برادری میں مسلمانوں کے حقوق اور دفاع کی پوزیشن مضبوط کرنے کے لئے مشترکہ سفارتی اور سیاسی محاذ پر کام کرنا ہوگا۔

مجموعی طور پر، مسلم دنیا کے دفاعی مسائل کا حل اتحاد، اجتماعی دفاعی معاہدوں، قیادت کی بہتری، سائنسی و عسکری ترقی، اور داخلی و خارجی سیاست میں یکجہتی ہے۔ اس کے بغیر کوئی ملک یا علاقہ مؤثر دفاع فراہم نہیں کر سکتا اور مسلمانوں کی مجموعی سلامتی متاثر ہوتی رہے گی۔

امتِ مسلمہ میں اتحاد کی ضرورت و اہمیت:

اسلام دین فطرت ہے اور فطری چیز زمانے کے بدلنے سے بدلا نہیں کرتی بلکہ وہ ہمیشہ رہتی ہے۔ اسلام کے فطری دین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے جتنے عقائد ہیں، جتنی تعلیمات ہیں، جتنے احکام ہیں، وہ سارے کے سارے انسانی فطرت کے مطابق ہیں۔ جیسا کہ انسان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ اسے بھوک لگتی ہے، پیاس لگتی ہے، وہ فطرتاً دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہتا ہے اور خاندانی نظام سے مربوط رہ کر زندگی گزارنا اس کا فطری تقاضا ہے، بالکل اسی طرح اسلام نے جتنے احکام دیئے وہ اس کے ان فطری اُمور کو مد نظر رکھ کر دیئے اور کوئی حکم ایسا نہیں دیا جو اس کے فطری تقاضوں کو ختم کر دے۔ اسلام فطرتِ انسانی الفت و محبت کا نام ہے۔ اسلام کی دعوت و تعلیم کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان منظم، فعال و متحرک اور متحد ہو کر اس کی اقامت و اشاعت کا فریضہ انجام دے، اس لئے یہ ہمیشہ اتحاد کی طرف بلاتا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ، كَمَثَلِ الجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالحُمَّى[30]

"تم مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت و محبت کا معاملہ کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی اور نرم دلی میں ایک جسم جیسا پاؤ گے، جب اس جسم کا کوئی حصہ بھی تکلیف میں ہوتا ہے تو سارا جسم تکلیف میں ہوتا ہے اور اس کی ساری رات بیداری اور بخار میں گزرتی ہے"

30 بخاری، صحیح البخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ، رقم الحدیث: ٦٠١١

ایمانی بھائی چارہ کیلئے سرحدیں رکاوٹ نہیں بنتیں، نبی کریم ﷺ نے تمام مسلمانوں کو ایک متحدہ امت بنایا جو اینٹوں کی دیوار کی مانند ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر مضبوط اور طاقتور بنتے ہیں۔ ایمانی بھاری چارہ کو قائم رکھنے کی اہمیت نمازاور روزہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے: حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ قَالُوا بَلَى قَالَ صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ فَإِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ

میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو روزوں اور صدقہ وخیرات اور نماز سے بھی افضل ہے؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ عمل باہمی تعلقات کی اصلاح ہے، تعلقات کا فساد صفایا کر دینے والی چیز ہے۔[31]

ہر صاحب علم اور اہل ایمان اس بات سے باخوبی آگاہ ہے کہ نماز اور روزہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہیں مگر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی درستگی کو بنیادی ارکان اسلام سے بھی افضل قرار دیا اور وجہ یہ بیان کی کہ باہمی بگاڑ و اختلاف، پورے دین کو اکھاڑ دینے والی چیز ہے، آپس کی نفرت وعداوت اور بغض و کینہ دین اور تقاضائے دین پر غالب آکر مسلم امت کی ایک ایک چیز پر قبضہ جما لیتی ہے۔ اوران کے باہمی اتحاد کو پارہ پارہ کر دیتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

امت کے باہمی اتحاد سے حسب ذیل فوائد و ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔

متحدہ قومیں مضبوط ہوتی ہے: جن مختلف قوموں میں اتحاد ہوتا ہے، وہ قومیں مضبوط ہوتی ہیں۔ اتحاد کی بنا پر وہ تصادم سے بچی رہتی ہیں۔

مشترکہ مسائل کا حل: امت کا باہمی اتحاد مسائل کا حل کرنے کی صلاحیت فراہم کرتا ہے۔

تاریخی اور ثقافتی وابستگی: اتحاد امت میں تاریخی اور ثقافتی وابستگیوں کو بھی مضبوط بناتا ہے۔ ایسا اتحاد طویل مدت تک امتوں کے درمیان دوستی اور تعلقات کو بڑھا سکتا ہے۔

اقتصادی ترقی: باہمی اتحاد اقتصادی تعاون کو بڑھاتا ہے۔ مختلف ممالک کے درمیان تجارت اور تعاون سے امت کو اقتصادی بنیادیں ملتی ہیں۔

سیرت النبی ﷺ سے قابل عمل اصول:

سیرت النبی ﷺ کے بیان کردہ سفارتی اصول موجودہ مسلم دنیا کی ضرورتوں اور کمزوریوں کے تناظر میں نہایت اہمیت رکھتے ہیں۔ آج مسلم دنیا سفارتی انتشار، باہمی اختلافات اور عالمی سیاست میں مؤثر کردار ادا کرنے میں ناکامی کا شکار ہے۔ اگر ہم نبی کریم ﷺ کی حکمت عملی کو دیکھیں تو پہلا اصول مکالمہ اور افہام و تفہیم ہے، جبکہ مسلم دنیا میں اکثر مسائل جذباتیت اور عدم برداشت کے باعث شدت اختیار کر لیتے ہیں۔ صلح حدیبیہ جیسی مثال ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ وقتی نقصان نظر آنے کے باوجود امن کو ترجیح دی جائے، مگر آج مسلم ممالک آپس کے جھگڑوں میں ایک دوسرے کے خلاف ہی محاذ بناتے ہیں۔ قرآن بھی مکالمے اور افہام و تفہیم کی تعلیم دیتا ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ[32]

اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے اس طریقے سے بحث کرو جو سب سے اچھا ہو۔

---

[31] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ الرقائق والورع عن رسول اللہ ﷺ، باب فضل کل قریب ھین سھل، رقم الحدیث: ۲۵۰۹

[32] النحل: ۱۲۵

رسول اللہ ﷺ نے جنگ کو کبھی مقصد نہیں بنایا بلکہ اسے دفاعی حکمتِ عملی کے طور پر استعمال کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا[33] یہ آیت امن پسندی اور صلح جوئی کی واضح دلیل ہے۔ آج مسلم دنیا اکثر طاقت کے مظاہرے کو سفارت کاری پر فوقیت دیتی ہے جبکہ موجودہ عالمی نظام میں امن اور مصالحانہ پالیسی زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اسی طرح وعدہ کی پاسداری اور اعتماد سازی نبی ﷺ کی سفارت کاری کی بنیاد تھی، لیکن معاصر دنیا میں اکثر مسلم ریاستیں بین الاقوامی معاہدوں میں عدم استحکام اور ناقابلِ اعتماد ہونے کا تاثر دیتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے مختلف مذاہب اور قبائل کو میثاقِ مدینہ کے تحت یکجا کیا، مگر آج مسلم ممالک میں اتحاد کے بجائے تقسیم زیادہ نظر آتی ہے۔ اگر ان اصولوں پر عمل کیا جائے تو مسلم دنیا نہ صرف اپنے داخلی اختلافات کم کر سکتی ہے بلکہ عالمی سطح پر ایک مؤثر اور طاقتور کردار بھی ادا کر سکتی ہے۔ نبی ﷺ کی تعلیم یہ بھی ہے کہ ہر قوم کے وقار اور ثقافت کا احترام کیا جائے، جبکہ آج مسلم دنیا اکثر سفارت کاری میں غیر حکیمانہ بیانیے اختیار کر لیتی ہے جس سے تعلقات مزید بگڑ جاتے ہیں۔ موجودہ مسلم دنیا کی سفارتی کمزوریوں کا حل سیرت النبی ﷺ میں موجود انہی اصولوں میں پوشیدہ ہے: مکالمہ، امن، وعدہ کی پاسداری، حکمت، ثقافتی احترام اور خیر خواہی۔ یہی وہ اصول ہیں جو امت کو ایک مشترکہ مؤقف پر جمع کر کے عالمی سطح پر عزت و وقار دلا سکتے ہیں۔

خلاصہ بحث:

نبوی تعلیمات کی روشنی میں سفارت کاری کا تصور محض وقتی سیاسی ضرورت نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور ہمہ جہتی ضابطۂ حیات ہے جو امن، عدل، خیر خواہی اور اتحاد پر مبنی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ یہ واضح کرتی ہے کہ حقیقی سفارت کاری صرف طاقت یا مفاد کے گرد نہیں گھومتی بلکہ اس کا مقصد بین الاقوامی امن، وعدہ کی پاسداری، وقار کا احترام، اور مشترکہ مفادات کے تحت اتحاد پیدا کرنا ہے۔ صلح حدیبیہ، میثاقِ مدینہ اور مختلف بادشاہوں کو لکھے گئے خطوط ایسے عملی نمونے ہیں جو امن، حکمت اور افہام و تفہیم پر مبنی سفارت کاری کی اعلیٰ مثالیں ہیں۔ آج کی مسلم دنیا سفارتی انتشار، باہمی اختلافات اور بیرونی دباؤ کے باعث عالمی سطح پر کمزور نظر آتی ہے، مگر اگر نبوی تعلیمات کو عملی بنیاد بنایا جائے تو یہ امت ایک مضبوط دفاعی و سفارتی بلاک تشکیل دے سکتی ہے۔ تحقیق سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سفارت کاری کا مرکزی نکتہ اتحاد اور خیر خواہی ہے جو موجودہ حالات میں مسلم دنیا کے لیے کامیابی کی ضمانت بن سکتا ہے۔

تجاویز و سفارشات:

- مسلم ممالک کو اپنے باہمی اختلافات ختم کر کے صلح حدیبیہ اور میثاقِ مدینہ کے اصولوں پر مبنی مشترکہ پلیٹ فارم تشکیل دینا چاہیے۔
- نبوی تعلیمات کی روشنی میں بین الاقوامی معاہدوں اور وعدوں کی سختی سے پابندی کی جائے تاکہ مسلم دنیا کا اعتماد بحال ہو۔
- نبی کریم ﷺ کے اسلوب کی پیروی کرتے ہوئے مخالفین اور دشمن ممالک سے بھی بردباری، حکمت اور شائستگی کے ساتھ تعلقات قائم کیے جائیں۔
- ہر قوم کے رسم و رواج اور وقار کا خیال رکھا جائے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف بادشاہوں کو ان کے منصب کے مطابق مخاطب کیا۔
- سفارت کاری کو صرف سیاسی یا معاشی مفادات تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اخلاقی و انسانی پہلوؤں کو بھی شامل کیا جائے۔

[33] الانفال: ٦١

- مسلم دنیا کو جدید تقاضوں کے مطابق مشترکہ دفاعی اور سفارتی بلاک بنانا چاہیے تاکہ عالمی سطح پر مؤثر کردار ادا کر سکے۔

مصادر و مراجع

۱۔ قرآن کریم

۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری

۳۔ ترمذی، محمد بن عیسی، سنن ترمذی

۴۔ مولانا وحید الزمان کیرانوی، قاموس المحیط

۵۔ ابو الفضل بلیلاوی، مصباح اللغات

۶۔ مجید خدودی، اسلام اور قانون جنگ اور صلح

۷۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ

۸۔ ابن ھشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویہ

۹۔ ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل، البدایہ والنہایہ